(۲۸)

احراریوں کی سازش سے قاتلانہ حملہ کے اثرات

جماعت احمدیہ اور حکومت برطانیہ

(فرمودہ ۲۶ / جولائی ۱۹۳۵ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا: -

میں اپنے گزشتہ خطبات کے تسلسل میں آج بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں اور آج میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس واقعہ کے بُرے پہلو کے علاوہ کچھ اور پہلو بھی ہیں جنہیں ہم نظر انداز نہیں کر سکتے ۔سب سے پہلے میں احرار کو لیتا ہوں کہ اس واقعہ کی وجہ سے ان کی جماعت پر کیا اثر پڑا ہے اور کیا پڑ سکتا ہے ۔دنیا میں ہر ایک مذہب وملت میں شریف لوگ بھی ہوتے ہیں اور دوسرے بھی ہوتے ہیں ۔اشتعال کے وقت شرافت دب جاتی ہے اور وحشت غالب آجاتی ہے اور جب اشتعال نہ ہو تو وحشت دب جاتی ہے اور شرافت غالب آجاتی ہے ۔گو ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی شرافت ہر وقت غالب رہتی ہے اور ایسے بھی جن کی وحشت ہر وقت غالب ہوتی ہے مگر اکثر حصہ انسانوں کا جن کو انبیاء یا ان کے فیض یافتہ لوگوں کی صحبت میسر نہیں ہوتی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اشتعال کے وقت ان کی شرافت اور اخلاق دَب جاتے ہیں اور دوسرے اوقات میں ظاہر ہو جاتے ہیں ۔پس اس واقعہ کو اس نگاہ سے بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کا اثر شرفاء پر کیا ہوگا ۔یہ تو خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ باوجود اشتعال اور باوجود اس کے کہ مسلمان آج ہمیں غیر سمجھتے ہیں ،مسلمان شرفاء سے خالی ہیں ۔دنیا میں کوئی قوم حتّٰی کہ دہریہ قوم بھی

ایسی نہیں ہوسکتی جو شرفاء سے خالی ہو۔ پھر ایک ایسی قوم کے متعلق جسے رسول کریم ﷺ کی تعلیم پہنچی ہو، جو اپنے آپ کو قرآن کریم کی طرف منسوب کرتی ہو اور جس کے کانوں میں خدا کی آواز پڑتی ہو کس طرح خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ نیک اور شریف لوگوں سے خالی ہے۔ بعض اوقات ظلم اپنی کثرت کی وجہ سے خود بخود توجہ کو کھینچنے کا موجب ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک وقت تک ظلم کو دیکھتے ہیں بلکہ اس میں شریک بھی ہو جاتے ہیں اور بعض شریک تو نہیں ہوتے مگر بے پروا ہو کر ایک طرف بیٹھے رہتے ہیں۔ مگر ظلم جب حد کو پہنچ جائے تو ان کی فطرت جوش میں آ جاتی ہے اور کہتی ہے کہ اس سے زیادہ ظلم برداشت نہیں کیا جا سکتا اور وہ لوگ ظالموں سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں شریف اور جائز کارروائیاں کرنے والا سمجھا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ تم بُرے لوگ ہو۔

غالب نے کہا ہے کہ ؎

درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

جب درد حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ بھی ایک علاج ہو جاتا ہے۔ کئی بیمار اس طرح تباہ ہو جاتے ہیں کہ اُن کو بیماری کی ابتداء میں تکلیف زیادہ نہیں ہوتی اس لئے وہ علاج کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرض لا علاج صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر کئی بیمار اس طرح اچھے ہو جاتے ہیں کہ انہیں ابتداء میں ہی زیادہ تکلیف ہونے لگتی ہے اور وہ فوراً کسی لائق طبیب سے مشورہ لے لیتے ہیں۔ پھر بسا اوقات مرض کا بڑھنا انسان کے اندر شفاء کا مادہ پیدا کر دیتا ہے اسی طرح ظلم بھی جب حد سے گزرتا ہے تو وہ علاج کا موجب ہو جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو مکّہ والے ایک وقت تک دُکھ دیتے رہے، اور دوسرے لوگ دیکھتے ہوئے خاموش رہے۔ ان میں بھی ایسے شرفاء موجود تھے جو مکّہ والوں کے رویہ کو ناپسند کرتے تھے مگر سمجھتے تھے کہ مسلمانوں نے خود ہی ایک نیا مذہب نکالا ہے اور پھوٹ ڈال دی ہے جس کے وہ خود ذمہ دار ہیں ہم کیا کریں، اس طرح وہ اپنے دلوں کو تسلّی دے لیتے۔ یہاں تک کہ ظلم بڑھتے بڑھتے ایک وقت ایسا آیا کہ پورے طور پر رسول کریم ﷺ، آپ کے رشتہ داروں اور صحابہ کا بائیکاٹ کر دیا گیا اور آپ ان کو ساتھ لے کر ایک وادی میں چلے گئے وہاں ان کی نظر بندوں کی سی حالت تھی اور یہ کوئی ایک دن دو دن، ہفتہ دو ہفتہ، مہینہ دو مہینہ کی بات نہ تھی بلکہ سالہا سال تک یہ حالت چلی گئی کفار نے فیصلہ کیا کہ کوئی شخص ان کے ہاتھ نہ کوئی چیز فروخت کرے اور نہ ان

سے خریدے۔ نہ خریدنے تک تو برداشت کیا جا سکتا تھا مگر فروخت نہ کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ انہیں کھانے کے لئے بھی کچھ نہ مل سکتا۔ مکّہ میں زمینداری تو ہوتی نہیں قافلہ والوں کو ممانعت تھی کہ مسلمانوں کے پاس کوئی چیز فروخت نہ کریں اس طرح انہیں نہ آٹا مل سکتا اور نہ کوئی اور چیز گویا ان کے لئے زندگی کے سب سامان بند کر دیئے گئے۔ اس طرح مسلمانوں پر یہ مصائب بڑھتے گئے حتّٰی کہ ایک صحابی کہتے ہیں آخر وہ دن آ گئے کہ چونکہ کھانے پینے کو کچھ نہ ملتا تھا ہمیں آٹھ آٹھ دس دس روز پاخانہ نہ آتا تھا اور چونکہ پتے وغیرہ کھا کر گزارہ کرتے تھے، اس لئے جب آتا تو مینگنیاں سی ہوتی تھیں۔[1] انہی تکالیف کے صدمہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں اور دوسرے صحابہ کو بھی اس قسم کے بہت سے صدمات برداشت کرنے پڑے لیکن آخر یہ ظلم ہی ظالم کی طاقت کو توڑنے کا موجب بن گیا کیونکہ جب بات یہاں تک پہنچی تو وہ طبائع جو مختلف باتوں سے اپنے دلوں کو تسلی دے لیتی تھیں ان کو یہ احساس ہوا کہ اب بات حد سے بڑھتی جا رہی ہے۔ ایک ان میں سے اُٹھا اور اپنے ایک گہرے دوست کے پاس گیا اور اسے کہا کہ مَیں تم پر اعتبار کر کے ایک خاص مشورہ کے لئے آیا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ مکّہ والوں نے ایک معاہدہ کر کے اسے کعبہ میں لٹکا رکھا ہے کہ مسلمانوں کے پاس نہ کوئی چیز فروخت کی جائے اور نہ ان سے خریدی جائے؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا غور کرو آخر ان کا کیا قصور ہے کہ انہیں اس قدر ایذائیں دی جاتی ہیں۔ جب ہم لوگ آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں اور بیوی بچوں میں دن گزار رہے ہیں تو ان کو بھوکے پیاسے مارنا بہت بڑا ظلم ہے جسے مَیں تو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے آدمی بھی ایسا ہی چُنا تھا جس کی طبیعت سے وہ واقف تھا۔ اُس نے جواب میں کہا کہ میں بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا پھر اس نے پوچھا کوئی اور ایسے لوگ بتاؤ جو ہمارے ہم خیال ہوں۔ اس نے بعض نام بتائے چنانچہ وہ ان کے پاس گئے انہوں نے بھی اتفاق کیا اور ان سب نے تلواریں نکال لیں اور کہا کہ خواہ جان چلی جائے ہم اس معاہدے کو توڑتے ہیں اور جب انہوں نے دلیری سے کعبہ میں جا کر اس معاہدے کو پھاڑ دیا۔[2] تو سینکڑوں ہزاروں شریف الطبع لوگ جو ظالموں کے رُعب میں تھے سامنے آ گئے اور ان کے ہم خیال ہو گئے اور اس طرح رسول کریم ﷺ، آپ کے رشتہ دار اور سب صحابہ اس وادی سے باہر آ گئے۔

پس ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو لوگوں کی طبائع کو اس طرف مائل کر دیتا ہے کہ وہ انصاف پر

قائم ہوں۔ اور اس واقعہ کے بعد جس کا ذکر میں اپنے خطبوں میں کرتا رہا ہوں ہر قوم کے لوگوں کی طرف سے اس پر اظہارِ نفرت کیا گیا ہے۔ بعض بہت دُور کے علاقہ کے رہنے والوں کے بھی خطوط آئے ہیں۔ چنانچہ پرسوں یا اس سے ایک ہی روز قبل میسور کے علاقہ سے ایک قاضی صاحب کا خط آیا ہے جس پر ایک مولوی صاحب کے بھی دستخط ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اگرچہ ہم آپ کو نہیں جانتے اور آپ ہم سے واقف نہیں ہیں مگر احرار کے اس فعل کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو اتنے دُور دراز مقامات پر بھی یہ محسوس کیا گیا ہے کہ یہ فعل شرافت کے خلاف ہے۔ اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے بھی ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ [۳] بلکہ شاید احرار اور ان کے پُشت پناہ بعض حکام کے سوا باقی سب طبائع پر اثر پڑا ہے۔ یہ دونوں ضرور خوش ہیں مگر باقی رعایا اور حکام محسوس کر رہے ہیں کہ بات حد سے بڑھتی جارہی ہے۔ فطرتِ انسانی اس بات کو سمجھتی ہے کہ ہاتھ تو احمدیوں کے بھی ہیں بلکہ احمدیوں کا ایمان اور جوش تو ایسا ہے کہ دنیا اس کی قائل ہے وہ بھی اگر بدلہ لینا چاہیں تو ایسے شریروں کو کوئی طاقت ان کے ہاتھ سے نہیں بچا سکتی۔ جب کوئی قوم ارادہ کر لیتی ہے کہ ہم بدلہ لیں گے تو کوئی بادشاہ، کوئی فوج، کوئی پولیس اس کو روک نہیں سکتی۔ بادشاہ سے زیادہ حفاظت کے انتظامات اور کس کے لئے ہو سکتے ہیں مگر کیا بادشاہ نہیں مارے جاتے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ سرویا کا بادشاہ ایک اہم پولیٹیکل فیصلہ کے لئے فرانس گیا، اس کی حفاظت کے لئے سرویا کے افسر اور فرانس کی پولیس اور فوج موجود تھی اور بڑے انتظامات تھے مگر پھر بھی اسے ساحلِ سمندر پر ہی مار دیا گیا۔ پھر فوجوں کے کمانڈر بھی مارے جاتے ہیں، وائسرائے بھی مارے جاتے ہیں۔ ہندوستان کا ایک وائسرائے جو بہت شریف آدمی تھا انڈیمان گیا۔ اس نے وہاں کے قیدیوں کے ساتھ نیکی کرنے کے لئے یہ سفر اختیار کیا مگر ایک قیدی نے چھرا مار کر اُسے مار دیا۔ پس یہ بات قطعاً غلط ہے کہ صرف ڈر سے لوگ حملہ نہیں کرتے۔ کئی لوگ باوجود طاقت کے اپنی شرافت کی وجہ سے دشمن سے بدلہ نہیں لیتے، ورنہ بسا اوقات صرف ایک آدمی اُٹھتا ہے اور سارے خاندان کا بدلہ لے لیتا ہے۔ تو پھر یہ جماعت ۵۶ ہزار نہ سہی، بیس ہزار ہی سہی، بیس ہزار نہیں دس ہزار بلکہ ایک ہزار ہی سہی، اگر بدلہ لینا چاہے تو کیوں نہیں لے سکتی۔

پس کوئی عقلمند یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ ہمارا یہ رویہ شریفوں پر اثر کئے بغیر رہے گا۔ یہ احرار پر اثر نہ

کرے ان کے بعض نئے دوستوں پر یہ اثر نہ کرے مگر باقی شرفاء پر یہ ضرور اثر کرے گا اور ان کے دلوں میں احرار کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کر کے رہے گا اور کر رہا ہے لیکن اگر اِس وقت ہمارے دوست بھی فساد کر دیتے یا بعد میں کر دیں تو دنیا یہی کہے گی کہ لڑائی تھی ۔ اِنہوں نے بھی مار لیا اور اُنہوں نے بھی ۔ پس ایک بہت بڑا فائدہ اس حملہ کا یہ ہوُا ہے کہ لوگوں کو محسوس ہو گیا ہے کہ احمدی مظلوم ہیں ۔ وہ لوگ جو کہتے تھے کہ قادیان میں احمدیوں کی حکومت ہے وہ اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ قادیان میں احرار جتنا زیادہ سے زیادہ حملہ کر سکتے تھے ، انہوں نے کر لیا مگر پھر بھی احمدیوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا ۔ اس سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ قادیان میں احمدیوں کی ناجائز حکومت نہیں بلکہ ایک اور ظالم گروہ نے یہاں حکومت قائم کر رکھی ہے اور وہ انگریزی قانون کی بھی پرواہ نہیں کرتا ۔ اگر احمدی بھی ایسا ہی کریں تو احرار کے مٹھی بھر آدمی ایک گھنٹہ بھی یہاں نہیں رہ سکتے ۔ یہ صرف ہماری شرافت کی وجہ سے ہے کہ وہ یہاں رہتے ہیں اور ایسے واقعات ہو رہے ہیں اور کوئی خطرناک نتیجہ پیدا نہیں ہوتا اور یہ شرافت کا نمونہ شرفاء پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کے مقابل پر جو کھڑا ہو گا وہ ذلیل ہو گا خواہ وہ احرار ہوں یا حکام ۔ ایک وقت انسانی فطرت ضرور اُبھرے گی اور کہے گی کہ تم لوگ ظالم ہو اور احمدی مظلوم ہیں ۔

احرار کی طرف سے کوشش کی جا رہی ہے کہ ثابت کریں ان کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں اور یہ ایک انفرادی فعل ہے مگر نہ وہ خود اور نہ حکام میں سے ان کے دوست اس سازش کو چھپا سکتے ہیں ۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی بات ہے کہ ہر شخص اسے بخوبی جانتا ہے اور جو احراری لیڈر اس سے انکار کرتا ہے وہ سامنے آئے اور اپنے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے کہ یہ سازش نہیں تھی یہ بالکل آسان بات ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں کہ یہ سازش نہیں تھی ۔ بلکہ یہ صرف ذاتی لڑائی تھی اور اگر یہ سازش ہو تو ہم پر خدا کی لعنت ہو ۔ وہ قسم کھائیں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے ۔ آخر غور کرنا چاہئے کہ اگر یہ سازش نہ تھی تو یہ کیا چیز تھی جس نے ہمیں پہلے اطلاع دے دی کہ فلاں گلی میں حملہ ہو گا اور فلاں شخص پر ہو گا ۔ اس سازش کے اصل واقعات اگرچہ راز ہیں جنہیں میں فی الحال ظاہر نہیں کر سکتا مگر اس کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں ۔

پہلی بات یہ ہے کہ حملہ آور پہلی ہی شام کو احرار کے ذمہ دار آدمیوں کے ساتھ دیر تک باتیں کرتا

رہااور پھر وہ اکھٹے نکلتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ چند دن پہلے تقریروں میں اسے مظلوم ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ فعل کسی ذاتی بُغض کی وجہ سے تھا تو اب احرار اس کی مدد کیوں کرتے ہیں بلکہ معمولی مدد تو الگ رہی اب تو اسے رپورٹوں میں صاحبزادہ حنیف احمد لکھا جارہا ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں وہ اسے بے شک قبلہ وکعبہ لکھیں، یہ انہی کی ذلّت ہے ہماری نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے میں نے سنایا تھا کہ کسی بیوقوف سے کسی شخص نے برتن مانگ کر لیا اور بہت دنوں تک واپس نہ کیا۔ ایک دن وہ اس کے ہاں گیا تو دیکھا کہ وہ شخص اس کے برتن میں ساگ ڈال کر کھا رہا ہے یہ دیکھ کر اسے بہت غصہ آیا اور کہنے لگا۔ چوہدری! یہ تو ٹھیک بات نہیں ہے تم شادی کے لئے برتن مانگ کر لائے تھے اور اب اس میں ساگ کھا رہے ہو۔ مجھے بھی اپنے باپ کا بیٹا نہ کہنا اگر میں تمہارا برتن مانگ کر نہ لے جاؤں اور پھر اس میں نجاست ڈال کر نہ کھاؤں۔ پس یہ لوگ اگر ایسوں کو صاحبزادہ اور قبلہ وکعبہ بنائیں تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ افسروں کی عزت ماتحتوں سے اور ماتحتوں کی افسروں سے ہوتی ہے۔ جن لوگوں کا صاحبزادہ ایسا ہو ان کے صاحب جیسے ہوں گے وہ ظاہر ہی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ خود حکومت کو علم ہے کہ یہ سازش ہے۔ چند دن ہوئے خان صاحب فرزند علی صاحب ایک بڑے پولیس افسر سے ملے تو اس نے وہی نام لے کر جس کی ہمیں اطلاع تھی کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ فلاں شخص یہ کام کر رہا ہے مگر گورنمنٹ اس سازش کو نکال نہیں سکتی۔ یہ معلوم نہیں نکال نہیں سکتی کا کیا مطلب ہے؟ اس وجہ سے نہیں نکال سکتی کہ سازش کنندگان اس کے دوست ہیں یا کوئی قانونی مجبوریاں ہیں۔ ہاں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ نکالنا چاہے تو نکال سکتی ہے۔ جب ذمہ وار افسروں کو نام تک معلوم ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ نہ نکال سکے۔ پس اس کے سازش ہونے کا یہ ایک مزید ثبوت ہے کہ حکومت کے افسر جانتے ہیں کہ یہ سازش ہے مگر کسی مجبوری کی وجہ سے اسے نکال نہیں سکتے۔ گو اس حالت میں تعجب ہے کہ بعض دوسرے افسر ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ سازش کا پتہ ہے تو بتاؤ۔ وہ کیوں اپنے دوسرے افسروں سے نہیں پوچھ لیتے جبکہ ان کو بھی وہی نام معلوم ہے جس کا ہمیں علم ہے۔ میں اس خطبہ کے ذریعہ انہیں بتا دیتا ہوں کہ حکومت کے ایجنٹ اور جاسوس ہوتے ہیں اور

سراغ رسانی کے کئی ذرائع اس کے پاس ہیں، وہ روپیہ بھی خرچ کیا کرتی ہے پس وہ خود ہی کوئی ذرائع اختیار کر کے یہ سازش بھی نکال لے۔ ہم تو موجودہ حالات میں انگریز افسروں کو بھی اپنے ذرائع معلومات بتانے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ وہ ماتحتوں کو بتائیں گے اور ماتحت احرار کو بتا دیں گے اور اس طرح ہمارے وہ ذرائع بند ہو جائیں گے۔

ہم بدظنّی نہیں کرتے کہ بڑے افسر ایسا کریں گے مگر یہ جانتے ہیں کہ وہ بہرحال ماتحتوں سے کام کراتے ہیں جن میں سے بعض کے متعلق ہمیں ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہے کہ وہ نہ صرف احرار سے ہمدردی رکھتے ہیں بلکہ انہیں اطلاعات دیتے ہیں اور ایسی صورت میں ہم کس طرح اپنے ذرائع معلومات بند کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر حکومت کوئی آزاد کمیشن بٹھائے گی تو اس کے سامنے ہم یہ سب حالات رکھ دیں گے۔ بہرحال لوگوں پر یہ حقیقت ظاہر ہے اور ایک حصہ حکام کا بھی جانتا ہے کہ یہ سازش ہے اور یہ بات بھی ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کھیل دونوں طرف سے کھیلا جا سکتا ہے۔ احمدی بھی کھیل سکتے ہیں اور اس وجہ سے احمدیوں کی عظمت ان کے دلوں میں بڑھ رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں اور بھی بعض سازشوں کا علم ہؤا ہے جو ہم حکومت تک پہنچا دیں گے مگر اس خیال سے نہیں کہ وہ انتظام کرے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ بعض بڑے کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے یا شاید بعض ماتحت افسروں کے دھوکا دینے کی وجہ سے اس وقت تک کوئی انتظام نہیں کر سکی مگر ہم اسے ضرور بتا دیں گے تا اس پر حجت پوری کر دیں۔ میاں شریف احمد صاحب پر حملہ کی اطلاع ہم نے ۱۸؍جون کے الفضل میں شائع کر دی تھی اور بعد میں حکومت کو بھی اطلاع دے دی تھی مگر وہ کچھ نہ کر سکی لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہؤا کہ ہمارا پہلو بہت مضبوط ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح حجت پوری کرنے کے لئے ہم حکومت کو دوسری سازشوں کا علم بھی دے دیں گے اور اس طرح ان کے وقوعہ کے بعد ہمارے ہاتھ اور بھی مضبوط ہو جائیں گے۔

ضمناً میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اِس وقت تک بعینہٖ اس طرح جس طرح وہ میزبان جو مہمان کو ٹالنا چاہے اس کے پاس بیٹھ کر پوچھنا شروع کر دیتا ہے کہ بتایئے میں آپ کی کیا خاطر کروں؟ بعض افسر ہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ اچھا تم بتاؤ ہم کیا کریں؟ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ نوکر تم ہو، تنخواہیں تم لے رہے ہو، ساری عمر ایسے کاموں میں گزارنے کی وجہ سے تجربہ تمہیں ہے اور پوچھتے ہم سے ہو کہ کیا

کریں۔ہم کیا بتائیں کہ کیا کرو۔ جب مولوی ظفر علی صاحب کے متعلق حملہ کی ایک جھوٹی خبر شائع ہوئی تھی تو ساری پولیس کسے پوچھ کر وہاں پہنچ گئی تھی اور حکام کسے پوچھ کر انتظام کرنے لگے تھے۔ پس پولیس بھی اور سول افسر بھی انتظام کر سکتے ہیں ہم کیا تجویز بتا سکتے ہیں۔ یہاں میں ایک اور تجویز کا بھی ذکر کر دیتا ہوں جو ایک افسر نے بتائی ہے اور وہ یہ کہ اُس نے کہا کہ سوائے اِس کے کیا کر سکتے ہیں کہ فریقین کی ضمانتیں لے لیں۔ انگریزی کی ایک ضرب المثل کا ترجمہ ہے کہ ضرر رسانی تو کی تھی اس کے ساتھ ہتک بھی شامل کر دی یہی حرکت اس افسر نے کی۔ اوّل تو احمدیوں پر ظلم ہوا کہ ان کے عزیز ترین وجودوں پر حملہ ہوا، اس کے بعد انہیں یہ سنایا گیا کہ اس کا علاج یہ ہے کہ جماعت کے مرکز میں احمدیت کے سرکردہ وجودوں کی بھی ضمانت لے لی جائے اور ان کے مقابل پر چند گداگروں کی بھی ضمانت لے لی جائے۔ اِس وقت تک تو حکومت کی طرف سے اتنی ہی توجہ ہوئی ہے۔ آگے جو ہوگا وہ بھی واقعات بتا دیں گے۔

بہر حال ہمیں بعض اور سازشوں کا بھی علم ہے جنہیں ہم حکومت تک پہنچا دیں گے اور گو حکومت نے اس وقت تک ہم سے کوئی ہمدردی نہیں کی مگر آخر ایک وقت آجاتا ہے جب ظلم برداشت نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک وقت آئے جب حکومت یہ سمجھ لے کہ اب ہمارے ماتحت افسر حد سے بڑھ رہے ہیں لیکن اگر وہ کچھ بھی نہ کرے تو بھی ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں گے اور ہم دنیا کو بتا سکیں گے کہ ہم نے حکومت کو بروقت اطلاع دے دی تھی مگر وہ کوئی انتظام نہ کر سکی۔ اس واقعہ کا دوسرا اثر حکومت پر ہے۔ ہم نے اس واقعہ سے پہلے اخبار میں شائع کر دیا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے اور یہ بات دنیا سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ جو بات اخباروں میں آجائے اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ اب اگر حکومت بتا دے کہ اس اطلاع پر اس نے کوئی کارروائی کی تو ہم اپنی غلطی تسلیم کر لیں گے۔ حکومت کی طرف سے حفاظت کے جو انتظام کئے جاتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ مثلاً وہی شخص جس نے میاں شریف احمد صاحب پر حملہ کیا جب وہ گھر سے نکلتا ہے تو دو یا زیادہ سپاہی اس کے آگے پیچھے ہوتے ہیں اور رات کو جب وہ سوتا ہے تو بھی دو سپاہی اس کے مکان پر پہرہ دیتے ہیں۔ ایک ذمہ وار افسر نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ سپاہی اس کے ساتھ اسلئے رکھے جاتے ہیں کہ وہ کسی اور شرارت میں حصہ نہ لے سکے یا کسی سازش میں شریک نہ ہو لیکن دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی مجلس میں جاتا ہے تو سپاہی ڈیوڑھی یا چوبارہ کے نیچے بیٹھے رہتے ہیں

اور جب وہ باہر آ جاتا ہے تو ساتھ ہو جاتے ہیں۔ گویا منصوبہ بازی سے روکنے کا یہ نرالا طریق ہے کہ مجلس میں تو اکیلے شامل ہونے دیا جائے اور چلتے وقت پہرہ ہو۔ گویا سوتے سوتے یا چلتے چلتے تو خطرہ ہے کہ وہ کوئی منصوبہ نہ کرے لیکن اپنی مخصوص مجلسوں میں بیٹھنے کی صورت میں اسکے متعلق کوئی اس قِسم کا خطرہ نہیں۔ بہرحال سپاہی کسی غرض سے ہوں مگر نظر آتے ہیں اور جیسا کہ ایک بالا افسر نے بتایا ہے وہ بالا افسروں کی طرف سے ہیں، مقامی پولیس کی طرف سے نہیں اس لئے ہم مجبور ہیں کہ سمجھیں یہ حکومت کی طرف سے ہی انتظام ہے۔ پس گورنمنٹ جو کچھ کرتی ہے وہ نظر آ جاتا ہے۔ گو میں یہ بھی مانتا ہوں کہ جس طرح ہم غلطی کر سکتے ہیں گورنمنٹ بھی غلطی کر سکتی ہے مگر بہرحال اس کے اختیار کردہ طریق، نظر ضرور آ جاتے ہیں اور ہماری اطلاعات کے باوجود حکومت نے جو کچھ کیا وہ ظاہر ہے۔ اس کی طرف سے اس گلی میں پہرہ تک کا انتظام نہیں کیا گیا۔ ہزاروں لوگ گواہ ہیں کہ اس گلی میں پہرہ کا کوئی انتظام نہ تھا اور باوجود اس کے نہیں تھا کہ حکومت کو بروقت اطلاع دے دی گئی تھی کہ اس گلی میں ایسا حملہ ہونے والا ہے۔ حکومت کو اس حملہ آور کے آگے پیچھے رکھنے کے لئے تو سپاہی مل گئے مگر اس کے لئے کوئی نہ مل سکا کہ جس جگہ حملہ ہونے والا تھا باوجود اطلاع کے وہاں پہرہ مقرر کر دیا جاتا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آ سکتی اور یقیناً ہم سمجھتے ہیں جس وقت یہ باتیں اوپر کے حکام کے پاس پہنچیں گی تو وہ ضرور توجہ کریں گے۔ لوکل حکام تو کئی ذاتی جھگڑوں میں مبتلاء ہوتے ہیں لیکن مرکزی حکومت ان باتوں سے بالا ہوتی ہے۔ بہرحال اِس وقت تک ضلع کے حکام نے تو کوئی توجہ نہ کی تھی اور پھر یہ بات ضلع کے حکام تک ہی محدود نہیں، اوپر کے بعض افسر بھی ایسا ہی سلوک کر رہے ہیں اور ان کو بھی ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جب بھی کوئی شکایت ان کے پاس کی جاتی ہے وہ کہہ دیتے ہیں احمدی مبالغہ کرتے ہیں، ''الفضل'' میں جھوٹی خبریں شائع ہوتی ہیں بلکہ ہمارے ایک دوست نے جب ایک سرکاری افسر سے ذکر کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے گزشتہ خطبہ میں برطانوی قوم کی تعریف کی ہے۔ اس نے کہا کہ پھر کیا؟ اگلے خطبہ میں کہہ دیں گے کہ بعض افسر غدّار ہیں۔ یہ ایک ذمہ دار افسر کا بیان ہے جس کے متعلق کسی کو امید نہ ہوسکتی تھی کہ وہ ایسا بے قابو ہو جائے گا۔ غرض یہ وقوعہ جو ہوا اس کے پہلے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ مرکزی حکومت پر تو کوئی الزام نہیں کیونکہ شاید اسے اتنا موقع نہیں ملا یا وہ لاہور کے کاموں میں پھنسی ہوئی تھی۔ مگر ضلع کے حکام ایسے حالات میں نہ تھے اور وہ اگر

چاہتے تو انتظام کر سکتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بوجھ کا آخری تنکا اونٹ کی کمر توڑ دیتا ہے۔ بہت سے افسر ایسے گزرے ہیں جو فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے حُسنِ سلوک سے پچاس ہزار یا لاکھ بلکہ کئی لاکھ کی ایک ایسی جماعت ہندوستان میں چھوڑ دی ہے جو اپنی جانیں قربان کر کے بھی برطانیہ سے تعاون کرے گی مگر موجودہ افسر جا کر کیا کہہ سکتے ہیں سوائے اس کے کہ صاحب! فخر نہ کریں ہم اسی جماعت کے دلوں کو توڑ کر آئے ہیں کیا یہ بات ان کی اپنی یا ان کی حکومت کی شہرت کا موجب ہوگی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اب اگر یہ جماعت تعاون کریگی یا قانون شکنی نہ کرے گی تو اس وجہ سے کہ ان کے مذہبی حکم کے خلاف ہے اور اگر قانون شکن جماعتوں کے ساتھ نہ ملے گی تو اپنے خلیفہ کے ڈر کی وجہ سے ورنہ جو حالات ہمارے لئے پیدا کئے گئے ہیں کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ہمارے لوگ ان لوگوں سے جا ملتے جو اسکے قوانین کو توڑ کر حکومت کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ خدا اور اس کے رسول، اس کی کتاب اور خدا کے مأمور نے باندھ دیئے ہیں۔ بعض حکام کے افعال نے جماعت احمدیہ کو ایک مشین بنا دیا ہے جو قانون کی پابندی کرتی ہے اور کرے گی لیکن مشین اپنا رستہ چھوڑ کر آقا کی خدمت نہیں کر سکتی۔ ایک پانچ روپیہ کا نوکر اپنا رستہ چھوڑ کر بھی دیکھے گا کہ مالک کا نقصان نہ ہو مگر دس لاکھ کی مشین اس کا کوئی خیال نہیں رکھ سکتی بلکہ وہ اپنے رستہ پر چلتی جائے گی۔ تو ان حکام نے جماعت کو ایک مشین بنا دیا ہے پہلے وہ اپنا رستہ چھوڑ کر بھی اس امر کا خیال رکھتی تھی کہ حکومتِ برطانیہ پر کوئی حرف نہ آئے مگر اب وہ ایسا کہاں کرے گی جب تک کہ حکومت کی طرف سے اس ہتک کا ازالہ نہ کیا جائے اور ان حالات کے ذمہ دار حکام کو سزا نہ دی جائے۔

ایک ایسے ہی افسر کی شکایت اوپر کی گئی تھی۔ جماعت کی طرف سے نہیں بلکہ بعض لوگوں نے کی تھی اور وہ اس معاملہ میں اتنا کُھلا مُجرم تھا کہ اگر سچ بولتا تو ضرور پکڑا جاتا۔ میں نے اسے کہلا بھیجا کہ تم دو آگوں میں سے ایک میں ضرور مبتلاء ہو گے۔ اگر سچ بولو تو حکومت سے سزا پاؤ گے اور اگر جھوٹ بولو تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ اس وقت تو اس نے ہنس کر کہا کہ نہیں میں ضرور سچ بولوں گا مگر جب اس سے جواب طلبی ہوئی تو اس نے صاف جھوٹ بول دیا اور اس طرح خدا کی آگ کو اختیار کر لیا حالانکہ یہ زندگی اصل زندگی نہیں۔ یہاں بڑے بڑے امراء، کروڑ پتی، بادشاہ سب سو پچاس سال جیتے اور پھر مر جاتے ہیں اصل زندگی وہی ہے جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ

جھوٹ بول کر حکومت کے عذاب سے بچ گیا لیکن مرنے کے بعد وہ جس عذاب میں مبتلاء ہوگا اس کے مقابلہ میں حکومت کی سزا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔

پس ایسے لوگوں کے لئے دو باتیں لازمی ہیں یا تو حکومت سے سزا پائیں اور یا مرنے کے بعد خدا کے ہاتھ سے۔ ایسے لوگ ذاتی طور پر بھی فائدہ میں نہیں رہتے یا تو ان کی عاقبت خراب ہوتی ہے اور یا پھر اسی دنیا میں برباد ہو جاتے ہیں۔ آخر آج نہیں تو کل حکومت کو پتہ لگے گا اور وہ ضرور سزا دے گی۔ غرض حکومت پر اس واقعہ کا اثر یہ ہؤا کہ ایک اعلیٰ درجہ کی تعاون کرنے والی جماعت کو اس نے کھو دیا ہے اور اب وہ صرف قانون کی حد تک اس کے ساتھ تعاون کرے گا اور یہ بھی میرے مجبور کرنے پر ورنہ بعض احمدی تو ایسے جوش میں ہیں کہ شاید اس مسئلہ کو بھی بھول جائیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی ہے کہ میں جوش کی حالت میں بھی اصل راستہ کو نہیں بھولتا اس لئے میرے مجبور کرنے پر وہ تعاون کریں گے ورنہ بہت سے لوگ انتہاء پسند جماعتوں سے جا ملتے۔ اس افسر نے جو یہ کہا کہ کل کہہ دیں گے بعض افسر غدّار ہیں مَیں ضمناً اس کا بھی جواب دے دینا چاہتا ہوں اور اس کو اور اس کے ہم خیالوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ کہنا کہ برطانوی حکومت اور برطانوی قوم اچھی ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ کہنا کہ پنجاب گورنمنٹ کے بعض افسر غدّار ہیں۔ دونوں باتیں ایک وقت میں موجود ہو سکتی ہیں۔ قوم کی تعریف کے یہ معنی نہیں کہ اس کے سارے افراد اچھے ہیں۔ سب سے اچھی قوم تو رسول کریم ﷺ کے صحابہ کی تھی مگر کیا اس وقت بُرے آدمی نہ تھے، کیا ان میں سے بعض کو قرآن کریم میں منافق نہیں بتایا گیا؟ پس اگر یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ رسول کریم ﷺ کے گرد جو لوگ جمع ہوئے وہ بہترین لوگ تھے یہ کہنے سے کہ ان میں سے بعض منافق بھی تھے کوئی حرج نہیں ہوتا تو اگر میں یہ کہوں کہ برطانوی قوم اچھی ہے مگر اس کے بعض افسر غدّار ہیں تو کیا حرج ہے۔ پھر میں اپنی جماعت کے متعلق سمجھتا ہوں کہ وہ بڑی اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ اور بلند اخلاق کی مالک ہے لیکن اس کے باوجود کئی خطبات میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ اس میں بعض منافق بھی ہیں۔ اگر میں ایک ہی وقت میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ جماعت احمدیہ اخلاق شرافت اور قابلیت میں بہت بلند درجہ رکھتی ہے اور یہ بھی کہ اس میں بعض منافق بھی ہیں تو یہ کیوں نہیں کہہ سکتا کہ برطانوی قوم بہت اچھی ہے مگر پنجاب گورنمنٹ کے بعض افسر غدّار بھی ہیں۔ غالباً ان صاحب کو کثرتِ کار کی وجہ سے اپنی تاریخ کے مطالعہ

کا بھی موقع نہیں ملا بلکہ اگر وہ اخبارات کا مطالعہ ہی باقاعدہ کر سکتے تو انہیں یاد ہونا چاہئے تھا کہ ایک ہی سال ہوا کہ برطانوی فوج کے ایک میجر نے ایک نہایت اہم راز ایک مشہور کیمیکل فرم کے پاس فروخت کرنے کی کوشش کی تھی مگر پکڑا گیا، پھر اس سے سال بھر پہلے ایک برطانوی لفٹیننٹ نے ایک جرمن عورت کی محبت اور کچھ نقدی کے لالچ کی وجہ سے ایک اہم راز فروخت کرنے کی کوشش کی تھی مگر پکڑا گیا اور اب جیل میں ہے۔ پھر شاید اس افسر کو معلوم نہیں کہ جنگ کے دنوں میں ایک سیکرٹ محکمہ تھا اس کی شائع کردہ رپورٹ کے بعض حصے مَیں نے پڑھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ درجنوں اور بیسیوں ایسے انگریز پکڑے گئے تھے جو غیر ملکیوں کو اپنی خبریں دیتے تھے اور انہیں سخت سزائیں دی گئیں پھر یہ افسر اگر کتابیں نہ پڑھ سکتے ہوں تو شملہ میں ہی ان سے دو میل کے فاصلہ پر ایک اور افسر رہتے ہیں جو بہت لائق اور شریف انگریز ہیں۔ جنگ کے دنوں میں وہ ایک خاص کام پر مأمور تھے جس کا مَیں نام نہیں لیتا، اگر یہ افسر عِنْدَ الْمُلَاقَاتُ اُن سے دریافت کریں تو وہ بتا دیں گے کہ جنگ کے دنوں میں بعض انگریز افسر بھی غدّاری کیا کرتے تھے اور جب جنگ کے دنوں میں بعض لوگ ایسا کر سکتے تھے تو کیوں امن کے دنوں میں ایسا نہیں کر سکتے۔ حال ہی میں ایک جرمن مصنف نے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں لکھا ہے کہ لارڈ کچز کا جہاز جن کے مرنے پر تمام انگلستان میں ماتم بپا ہو گیا تھا، دو انگریز افسروں کی سازش سے ہی ڈبویا گیا تھا۔ پس وہ کون سی قوم ہے جس میں غدّار نہیں ہو سکتے۔ بعض قومیں ان کی موجودگی میں بھی اچھی ہوتی ہیں اور بعض خراب ہو جاتی ہیں جن میں غدّار زیادہ ہو جائیں وہ تباہ ہو جاتی ہے اور جن میں کم ہوں وہ اچھی رہتی ہے۔ پس جب مَیں یہ کہتا ہوں کہ برطانوی قوم اچھی ہے اور ساتھ یہ بھی کہ اس کے بعض افسر غدّار ہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس قوم میں غدّار تھوڑے ہیں اور اگر یہ بات کسی کو بُری لگتی ہے تو مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی تکلیف کو دور نہیں کر سکتا۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ انگریز قوم میں بُرے لوگ تھوڑے ہیں اور اچھے زیادہ، میں جانتا ہوں کہ میرا یہ کہنا کہ بعض افسر غدّار ہیں بعض افسروں کو بُرا لگتا ہے مگر بعض کو نہیں بھی لگتا۔ سرایویلن ہاول گورنمنٹ آف انڈیا کے فارن سیکرٹری تھے ایک دفعہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد ان سے ملنے گئے کشمیر کے متعلق کوئی معاملہ تھا۔ درد صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں ریاستی پولیس میں سارے افسر اچھے نہیں ہوتے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ آپ یہ کیوں کہتے ہیں ہماری پولیس کے بھی بعض افسر

بُرے ہوتے ہیں ہماری پولیس کی براءت کی ضرورت نہیں۔ پس جو افسر اصلاح کو مقدم سمجھتے ہیں وہ ان باتوں پر بُرا نہیں مناتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ غدّار ہیں اور ان کی اصلاح ضروری ہے۔ قوم کی طاقت اِس میں ہوتی ہے کہ غدّاروں کی اصلاح کی جائے جو قوم غدّاروں کو چھپاتی ہے وہ اپنی محبت دلوں سے نکال دیتی ہے۔ غدّاروں کی اصلاح سے پرسٹیج (PRESTIGE) کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے مگر بعض افسروں کو پھر بھی یہ بات بُری لگتی ہے۔ اس کے برخلاف میرا یہ کہنا کہ انگریز قوم اچھی ہے ہماری جماعت کے بعض افراد کو اب بُرا لگتا ہے اور ملک کی بعض دوسری قوموں کو بھی مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں میرے سامنے ہمیشہ نجاشی کا قول رہتا ہے جو حبشہ کا بادشاہ تھا وہی حبشہ جس پر اٹلی حملہ کر رہا ہے۔ جب کفار کے مظالم سے تنگ آ کر بعض صحابہ اس کے ملک میں ہجرت کر گئے تو کفار نے دو آدمی بہت سے تحائف وغیرہ دے کر اس کے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ آپ سے ہماری ہمیشہ صلح رہی ہے ان لوگوں کو واپس کر دیں۔ جب وہ لوگ درباریوں کو رضامند کرنے کے بعد پیش ہوئے تو اس نے صحابہ کو بلایا اور ان سے حالات دریافت کئے اور ان کے حالات سن کر انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر پھر مکّہ کے سفیروں نے امراء سے مل کر اس پر زور ڈالا اور اِس دفعہ اُسے یہ کہہ کر جوش دلانا چاہا کہ یہ لوگ مسیح کو گالیاں دیتے ہیں جس طرح آج ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہم نَعُوذُ بِاللّٰہِ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک کرتے ہیں اس پر اس نے صحابہ کو پھر بلوایا اور پوچھا کہ حضرت مسیح کے متعلق تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس پر نجاشی نے ایک تنکا اُٹھایا اور کہا خدا کی قسم! میں مسیح کو اس درجہ سے اس تنکا کے برابر بھی کم و بیش نہیں سمجھتا۔ میرا ایمان بالکل یہی ہے۔ یہ ایک عیسائی بادشاہ کے منہ سے یہ بات سن کر درباری جوش میں آ گئے اور کہا کہ تم کافر ہو گئے ہو جو خدا کے بیٹے کو انسان کہتے ہو اور معمولی نبی، تمہیں اس کے انجام کا علم ہے؟ تب اس نے کہا کہ تم کو معلوم ہے میں چھوٹا بچہ تھا کہ میرا باپ فوت ہو گیا اور میرے گارڈین نے چاہا کہ مجھے تخت سے محروم کر دے اور تم سب اس کے ساتھ سازش میں شریک ہو گئے کوئی ایک بھی میرے ساتھ نہ تھا اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میرا ساتھ دیا اور جس خدا نے مجھے یہ تاج و تخت دلوایا کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کے مقابلہ میں مَیں تمہاری کوئی پرواہ کروں گا؟ جاؤ جو تمہارا دل چاہے کرو[۵] میرا بھی سچائی کے بارہ میں یہی حال ہے۔ اس کے مقابل میں مجھے نہ حکومت کی پرواہ ہے نہ رعایا کی اور نہ اپنی جماعت کی، میری

حالت بھی بالکل بچہ کی سی تھی اور جماعت کا غالب عنصر جانی دشمن تھا، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کی اور مجھے وہ کچھ دیا جو کوئی انسان نہیں دے سکتا۔ پس خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں مجھے نہ بادشاہوں کی پرواہ ہے نہ حکومتوں کی اور نہ رعایا کی۔

میرا عقیدہ اِس وقت تک یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برطانوی قوم کو ایک خاص خدمت کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ اسے دنیا میں امن وامان قائم کرنے کا ایک ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ قوم خود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اس نعمت سے محروم کر دے لیکن اگر ایسا ہوُا تو اللہ تعالیٰ اپنے نشانوں سے اسے ظاہر کرے گا اس لئے اس عارضی جوش کی وجہ سے یا کسی انگریز افسر کے سلوک کے خیال سے میں اِس رائے کو بدل نہیں سکتا۔ بے شک بعض افسر بھی کہتے ہیں کہ تم لوگ فسادی ہو، جھوٹ بولتے ہو، ادھر جماعت کے لوگوں کے خطوط آتے رہتے ہیں جو مجھے اس عقیدہ کو ترک کر دینے کا مشورہ دیتے ہیں مگر مجھے سچائی کے معاملہ میں نہ حکومت کی پرواہے نہ جماعت کی۔ میں جو سچ سمجھتا ہوں اسے بے لاگ ظاہر کرتا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس کی توفیق دے۔ پس یہ ایک حقیقت ہے جس کے اظہار سے میں رُک نہیں سکتا۔ اب تک میرا یہی خیال ہے کہ انگریز قوم مجموعی طور پر دوسری قوموں سے اچھی ہے لیکن قوم سے میری مراد سیاسی قوم ہے اور یہ بھی مجھے یقین ہے کہ بعض افسر غدّار ہیں اور رہے ہیں اور اِس وقت بھی پنجاب گورنمنٹ میں بعض ایسے افسر ہیں جن کا رویہ ہمارے خلاف ظالمانہ اور غیر منصفانہ ہے۔ اگر حکومت نے آزاد کمیشن بٹھایا تو ہم ان کے نام اور حالات بھی ظاہر کر دیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں انگریزوں میں فلاں نقص ہے مگر میں کہتا ہوں کون ہے جو نقائص سے خالی ہو۔ کسی فرد کے نقص سے قوم بُری نہیں ہوسکتی حضرت مسیح ناصری کا قول مجھے کتنا پیارا لگتا ہے لوگوں نے ایک عورت کو پکڑا اور کہا کہ ہمارے مولوی تو رشوت لے کر چھوڑ دیتے ہیں چلو اسے مسیح کے پاس لے چلیں۔ حضرت مسیح ایک کھلی مارکیٹ میں کھڑے تھے۔ لوگوں نے کہا۔ اے اُستاد! یہ عورت بدکار ہے اور ہم نے اسے بدکاری کی حالت میں پکڑا ہے۔ بتاؤ خدا کے قانون کے ماتحت اس کی کیا سزا ہے؟ حضرت مسیح نے کوئی ایسا جواب دیا کہ وہ مطمئن نہ ہوئے اور کہا کیا ایسے مجرم کے لئے سنگساری کی سزا نہیں؟ حضرت مسیح نے کہا کہ ہاں لکھی ہے مگر اس پر پہلا پتھر وہ پھینکے جس نے کبھی کوئی شرعی گناہ نہ کیا ہو۔ اس پر سب آہستہ آہستہ کھسک گئے اور وہاں صرف ایک ہی

شخص رہ گیا جسے اللہ تعالیٰ نے شرعی گناہوں سے پاک رکھا ہوُا تھا اور وہ مسیح علیہ السلام تھا (کیونکہ خدا تعالیٰ کے سب نبی شرعی کمزوریوں سے پاک ہوتے ہیں) صرف وہی تھا جو اس عورت پر پتھر پھینک سکتا تھا مگر اس نے جا کر اس عورت کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہا بیٹی جاؤ پھر گناہ نہ کرنا۔[۶] پس خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے معصوموں کے سوا کون ہے جو کہہ سکے ہم سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ پھر کسی فعل کے متعلق ہم یقینی طور پر یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ بد دیانتی سے تھا پس جب تک ہمیں کوئی آسمانی ثبوت اس کے لئے نہ مل جائے کہ یہ قوم بگڑ گئی ہے چاہے دوست کتنا ناراض ہوں اور دس دس صفحات کے خطوط کیوں نہ لکھیں، اس بارہ میں میرا دل ایک مضبوط چٹان کی طرح ہے مَیں آنکھوں سے سب باتیں دیکھنے کا عادی ہوں اور قلب سے فیصلہ کرتا ہوں اس لئے مجھ پر اثر نہیں ہوسکتا۔ پنجاب اور ہندوستان کی حکومت میں ایسے افسر گزرے ہیں اور جو ابھی تک زندہ ہیں کہ ان کے انصاف کو دیکھتے ہوئے انگریز قوم کو بُرا نہیں کہا جاسکتا۔

رسول کریم ﷺ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر مکّہ کو گئے تو اس مقام پر اہل مکّہ کی طرف سے ایک معزز شخص صلح کے لئے آیا آپ اس کے سامنے بیٹھے اس سے گفتگو کر رہے تھے کہ اس نے آپ کی ریشِ مبارک کو ہاتھ لگا کر کہا دیکھو بچے! اس پر صحابہ کا خون کھولنے لگا، ایک صحابی کھڑے تھے ان کے سر پر خَود تھا، انہوں نے اسے تلوار کا کندا مارا اور کہا اپنے نجس ہاتھ رسول پاک ﷺ کی ریشِ مبارک کو مت لگا۔ وہ شخص اہلِ مکّہ کا بڑا محسن تھا اور کم ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس پر یا جس کے والدین پر اس نے کوئی احسان نہ کیا ہو، اس نے اس صحابی کی طرف غور سے دیکھا اور کہا کیا فلاں موقع پر میں نے تم پر احسان نہ کیا تھا۔ اس پر اس صحابی کی آنکھیں شرم سے نیچی ہوگئیں اور وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ اس کے بعد اس نے غرور کے اظہار کے لئے اور یہ جتانے کے لئے کہ میں سب کا مُحسن ہوں پھر آپ کی ریشِ مبارک کو چُھوُا۔ اس پر پھر ایک صحابی نے اسی طرح کیا اور وہی الفاظ کہے اس نے پھر اس کی طرف دیکھا اور غور کرنے کے بعد کہا کون ہے ابن ابی قحافہ؟ پھر کہا ہاں تم پر میں کوئی احسان نہیں جتا سکتا یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور اس مجلس میں مہاجرین میں سے صرف آپ ہی تھے جو اس کے احسان کے نیچے نہ تھے اس لئے اس نے آنکھیں نیچی کرلیں۔[۷] تو احسان کا یہ اثر ہوتا ہے۔ لیکن مخالف حالات میں انصاف بھی احسان ہی ہوتا ہے۔ اِس وقت بعض حکام کو ہمارے ساتھ انصاف

سے کون سی چیز روک رہی ہے صرف یہی کہ میجارٹی (Majority) ہمارے خلاف ہے اس لئے ایسے حالات میں جو ہمارے ساتھ انصاف کرے اسے بھی ہم احسان ہی سمجھتے ہیں۔ کسی نے کسی کا قرض دینا ہو، وہ روز اس سے مانگے مگر وہ نہ دے لیکن ایک دن ایسی حالت ہو جائے کہ اس کے بیوی بچے فاقہ سے سخت تکلیف میں ہوں اور اُس وقت اس کا قرضدار روپیہ کی ادائیگی کا انتظام کر دے تو کیا وہ اسے احسان نہیں سمجھے گا؟ پس مخالف حالات میں انصاف بھی احسان ہو جاتا ہے۔ غور کرو جس قوم میں وہ شخص پیدا ہوا ہو جس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعریف کی اور اسے اپنے زمانے کا پیلاطوس قرار دیا۔ یعنی جس قوم کا ایک فرد کیپٹن ڈگلس ہو جو اَب تک زندہ موجود ہے۔ ہم اسے کس طرح بُرا کہہ سکتے ہیں۔ کیپٹن موصوف کا اپنا بیان ہے کہ اُس وقت کے پنجاب کے لفٹنٹ گورنر نے انہیں بلا کر کہا کہ یہ شخص عیسائیت کا سخت مخالف ہے اس لئے اس کے مقدمہ کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے جس کے صاف معنی یہ تھے کہ اسے ضرور سزا دو۔ مگر میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ بددیانتی مجھ سے نہیں ہو سکتی۔ باوجود اس کے کہ ایک انگریز کہلانے والے (کہلانے والا مَیں اس لئے کہتا ہوں کہ وہ دراصل ہندوستانی تھا مگر ایک انگریز نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا تھا) کی طرف سے مقدمہ تھا، صوبہ کے سب سے بڑے افسر کا رُجحان تھا کہ سزا دی جائے اور کیپٹن موصوف خود اتنے متعصّب تھے کہ جب وہ اس ضلع میں آئے تو کہا کہ یہ شخص عیسائیت کا اتنا مخالف ہے، اسے اِس وقت تک سزا کیوں نہیں دی گئی لیکن جب مقدمہ پیش ہؤا تو انہوں نے شکل دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ شخص ملزم نہیں ہو سکتا۔ ان کے ایک ماتحت افسر جو اَب تک زندہ ہیں ان کا بیان ہے کہ بٹالہ میں پیشی کے بعد جب کیپٹن موصوف سٹیشن پر آئے تو نہایت بے چینی سے ٹہل رہے تھے بالکل پاگلوں کی سی حالت تھی اور رنگ فق تھا۔ میں نے کہا کہ صاحب! آپ کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے ویٹنگ روم میں تشریف رکھئے۔ مگر انہوں نے کہا کہ نہیں میں بیمار نہیں ہوں مجھے ٹہلنے دو۔ لیکن پھر میں نے یہی حالت دیکھی تو پھر جا کر کہا۔ اس پر وہ اندر تو آ گئے مگر کہنے لگے سپرنٹنڈنٹ صاحب! میرے دل پر ایسا بوجھ ہے کہ ڈر ہے کہ کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ گواہیوں سے مرزا صاحب کا جُرم بالکل ثابت ہے مگر میں جس طرف جاتا ہوں ان کی شکل میرے سامنے آتی ہے اور کہتی ہے کہ میں مجرم نہیں ہوں میں مجرم نہیں ہوں اور یہ ایسی حالت ہے کہ میں شاید پاگل ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ آپ S.P کو بلا لیں اور ان سے مشورہ کریں۔ چنانچہ انہیں

بلایا گیا ان کا نام اریمارچنٹ تھا، وہ تو شاید اب فوت ہو چکے ہیں مگر ان کے بڑے لڑکے اس وقت فوج میں لیفٹیننٹ ہیں S.P صاحب نے کہا کہ میں خود اس مقدمہ کو جھوٹا سمجھتا ہوں ، گواہ مشن والوں کے قبضہ میں ہے اسے آپ میرے حوالہ کر دیں ، میں اس سے حقیقت حال معلوم کرلوں گا ۔ چنانچہ ایسا کیا گیا ۔ اسے جب S.P نے پوچھا کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ تو اس کا رنگ فق ہو گیا ۔ صاحب نے کہا کہ تسلّی رکھو اب تمہیں مشن والوں کے حوالہ نہیں کیا جائے گا مگر وہ سخت ڈرا ہوا تھا ۔ آخر اسے بہت تسلّی دی گئی کہ اب تم مشن والوں کے پاس نہیں جاؤ گے تو وہ قدموں پر گر گیا اور اس نے کہا کہ میں کسی لالچ اور غرض کے لئے ان کے پاس گیا تھا انہوں نے مجھے ڈرایا کہ تم کو چور قرار دے کر پولیس کے سپرد کر دیں گے ورنہ کہو کہ مجھے مرزا صاحب نے پادری صاحب کو قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا ۔ آخر مقدمہ چلا اور کیپٹن ڈگلس نے فیصلہ کیا کہ مقدمہ جھوٹا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیسی پادریوں پر مقدمہ کرنے کی اجازت دے دی کیونکہ اصل قصور انہی کا ثابت ہوا تھا مگر آپ نے مقدمہ کرنے سے انکار کر دیا ۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ۔ صوبہ کا ذمہ دار افسر توجہ دلاتا ہے کہ سزا دی جانی چاہیئے ، مجسٹریٹ خود متعصّب ہے لیکن جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ آپ سچے ہیں تو وہ قطعاً اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ مقابل پر انگریز مدعی ہے ، صوبہ کا بڑا افسر سزا دلوانا چاہتا ہے اور یہ شخص میرے اپنے مذہب کا سخت مخالف ہے ، اس پر کوئی بات اثر ہی نہیں کرتی اور وہ آپ کو صاف بری کر دیتا ہے ۔ کوئی کہہ سکتا ہے یہ ایک مثال ہے؟ مگر میں کہتا ہوں بعض دفعہ منفرد مثال بہت بڑا اثر پیدا کر دیا کرتی ہے ۔

حضرت ہاجرہ ایک ہی عورت تھیں ، مصر کی رہنے والی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیاہی گئیں لیکن رسول کریم ﷺ نے ایک دن صحابہ سے فرمایا کہ جس دن مسلمان مصر فتح کریں مصریوں کا لحاظ رکھیں کیونکہ ہماری دادی وہاں کی تھی ۔ دو ہزار سال پہلے کی ایک لڑکی کا کتنا لحاظ ہے ۔ پھر سارے طائف کی عورتوں نے تو رسول کریم ﷺ کو دودھ نہ پلایا تھا لیکن جب اہل طائف نے ایسی جنگ کی کہ قریب تھا سارے مسلمان مارے جاتے مگر آخر وہ قید ہو گئے تو آپ نے ایک مہینہ تک ان کے اموال کو تقسیم نہیں کیا ۔ ایک ماہ کے بعد جب آپ کی رضاعی بہن آئیں تو آپ نے فرمایا بہن ! میں تو ایک ماہ پورا تمہارا انتظار کرتا رہا اور انتظار کے بعد مال تقسیم کیا ہے ۔ اب تم یا تو مال لے جاؤ اور یا قیدی ۔ اس نے قیدیوں کو ترجیح دی اور آپ نے ثقیف کے سب قیدی رہا کر دیئے ۔ پس ہم رسول کریم

ﷺ کے اخلاق کے تابع ہیں۔ کم از کم جب تک کیپٹن ڈگلس زندہ ہے انگریز قوم کے سامنے میری آنکھ تو نہیں اُٹھ سکتی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کے مقابلہ میں ہماری تکالیف کوئی حقیقت رکھتی ہیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہمیں خواہ کس قدر بھی تکالیف دی جائیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت پر کوئی حرف نہ آئے۔ اگر تمہیں یہ پسند ہے تو پھر اس واقعہ کو موجودہ واقعات پر جو اہمیت حاصل ہے اس کا تم کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اس وقت اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت پر داغ لگ جاتا تو وہ بہت زیادہ تکلیف دہ بات ہمارے لئے ہوتی۔ پس ہم موجودہ ظالم انگریزوں کے فعل کی وجہ سے اس منصف انگریز کے فعل کو کس طرح بھول سکتے ہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچی محبت رکھنے والے تو قیامت تک اس فعل کو نہیں بھولیں گے اور کپتان ڈگلس کی عزت بہت سے بادشاہوں سے بھی زیادہ کی جائے گی اور اس کی وجہ سے ساری انگریز قوم سے حسنِ سلوک کیا جائے گا پھر اسی پنجاب میں سرایڈوائر جیسا آدمی بھی گزرا ہے ان کے زمانہ میں ایک انگریز ڈپٹی کمشنر نے میرے ساتھ سخت لہجہ میں گفتگو کی اور سرموصوف کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اسے پہلے بدل دیا اور پھر اس کا تنزّل کر دیا اور آخر اُسے ریٹائر ہو کر واپس جانا پڑا۔ وہ فخر سے کہا کرتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے ایک ہندوستانی کے مقابل پر ایک انگریز افسر کو سزا دی۔ بے شک وہ ڈپٹی کمشنر مجرم تھا اور میں حق پر تھا مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ اس سے پہلے حکام پر سٹیج (PRESTIGE) کے خیال سے ہندوستانی کی ہتک کا خیال نہیں کیا کرتے تھے۔ پھر اسی صوبہ میں سر جیفری ڈی مونٹ مورنسی جیسے انسان بھی گزرے ہیں۔ آج بھی یہ لوگ ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ سر تھامسن چیف کمشنر دہلی کے متعلق مجھے یاد نہیں کہ ہم نے انہیں کوئی پیغام بھیجا ہو اور انہوں نے فوراً خندہ پیشانی سے ہمارا کام نہ کر دیا ہو حالانکہ بعض اوقات ان کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ پھر اسی ضلع میں منصف افسر رہے ہیں۔ مباہلہ والوں کی شورش کے ایام میں بھی انگریز ڈپٹی کمشنر تھے جو اچھی طرح انصاف کرتے رہے ان سے پہلے یہاں ایک ڈپٹی کمشنر مسٹر واٹسن گزرے ہیں میں جب انگلستان گیا تو وہ لندن میں مجھ سے ملنے آئے حالانکہ وہ کہیں باہر رہتے تھے۔ پھر یہاں مسٹر اوگلوی رہے ہیں ان سے بھی جن لوگوں کو واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ نہایت منصف اور دلیر آدمی تھے۔ بعد میں وہ پنجاب گورنمنٹ میں ہوم سیکرٹری ہو گئے جب مذبح کے گرائے جانے کے ایام میں

یہاں تعزیری پولیس کا سوال پیدا ہوا تو میں نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو ان کے پاس بھیجا کہ قادیان کا نام اس میں رکھنا غلطی ہے کیونکہ قادیان ہمارا مذہبی مرکز ہے۔ انہوں نے پہلے کہا کہ جماعت احمدیہ کو مستثنیٰ کر دیا جائے مگر چوہدری صاحب نے کہا کہ قادیان کے تقدس کا تقاضا ہے کہ وہاں کے ہندوؤں اور سکھوں کو بھی مستثنیٰ کر دیا جائے اور انہوں نے ایسا ہی کر دیا اور کہا کہ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ مقدس مذہبی مراکز کا احترام کرے اور قادیان کا نام نکال دیا اب بتاؤ ایسے لوگوں کی موجودگی میں تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ پنجاب گورنمنٹ بُری ہے۔ مباہلہ والوں کی شورش کے ایام میں یہاں پہلے مسٹر لین رابرٹ تھے پھر مسٹر مارسڈن اور پھر مسٹر جنکنز ڈپٹی کمشنر رہے ہیں اور باوجود اس کے کہ اس زمانہ میں ملک میں بہت فسادات ہو رہے تھے انہوں نے انصاف کو قائم رکھا۔ میں سر ہاول کا نام پہلے لے چکا ہوں میرا ذاتی تجربہ ہے کہ وہ اوّل درجہ کے نیک اور شریف افسر تھے میرے ساتھ ان کو جیسی عقیدت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ میرے ایک عزیز کے خلاف ان کے انگریز افسر نے بالا افسروں کے پاس شکایت کی۔ مجھے پہلے تو علم نہ ہوا مگر جب علم ہوا تو میں نے سر ہاول کو کہلا بھیجا کہ درست واقعات یوں ہیں انہوں نے کہا میرا تعلق تو نہیں لیکن میں کوشش کروں گا۔ اس کے متعلق انہوں نے اس صیغہ کے افسر کو جو چٹھی لکھی اس کی ایک نقل مجھے بھی مل گئی۔ انہوں نے اس میں لکھا کہ گو شکایت کرنے والا انگریز ہے مگر مجھے جماعت احمدیہ کے امام کی طرف سے ان کے سیکرٹری نے بتایا ہے کہ واقعات یوں ہیں اور اگرچہ واقعات ان کے چشم دید نہیں لیکن مجھے ان پر اس قدر یقین ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کوئی بات بغیر تصدیق کے پیش نہیں کر سکتے اس لئے ان کی بات ضرور سچی ہے پس آپ اس معاملہ کی بذاتِ خود تحقیق کریں صرف رپورٹ پر انحصار نہ کریں۔ ابھی ابھی درد صاحب ان سے ملے تھے اور انہیں موجودہ حالات سنائے تھے انہوں نے سن کر کہا کہ آپ کی جماعت تو مذہبی جماعت ہے آپ خوب جانتے ہیں کہ اس حکومت کے اوپر ایک اور حکومت ہے اس لئے جو افسر ناانصافی کر رہے ہیں وہ سزا سے ہرگز نہیں بچ سکیں گے اور میں امید کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی وجہ سے آپ ہماری دوستی کو نہیں توڑیں گے۔ ان کے علاوہ ہزاروں افسر ایسے ہی ہوں گے جن کے ہم واقف نہیں کیونکہ واقفوں کی قلیل تعداد میں سے اگر اتنے اچھے آدمی ہمیں معلوم ہوئے ہیں تو جن سے ہم واقف نہیں ان میں بھی ضرور ایسے آدمی ہوں گے۔ ایک مثال مجھے اور یاد آ گئی وہ انگریز سیشن جج جن کے

پاس مولوی کرم دین والے مقدمہ کی اپیل پیش ہوئی تھی اس کا منصفانہ رویہ بھی ہمیں نہیں بھول سکتا۔

پھر کس طرح چند آدمیوں کی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پنجاب گورنمنٹ بُری ہے یا برطانوی قوم بُری ہے۔ اس قوم کے متعلق پیشگوئیاں ہیں اور پیشگوئیاں اُسی وقت منسوخ ہوتی ہیں جب قوم مجموعی طور پر بگڑ جائے لیکن ان سب باتوں کے باوجود ایک چیز ہے جسے ان لوگوں کی موجودگی بھی نہیں روک سکتی اور وہ یہ کہ ہم پر ایسا کُھلا کُھلا ظلم کیا گیا ہے اور ایسی ہتک کی گئی ہے کہ جب تک اس کا ازالہ نہ کیا جائے ہم ویسا تعاون نہیں کر سکتے جیسا پہلے کرتے رہے ہیں اسی لئے مَیں نے صدر انجمن سے کہا ہے کہ حکومتِ پنجاب سے فیصلہ کرے کہ وہ ازالہ کے لئے تیار ہے یا نہیں؟ اگر وہ تیار نہ ہو تو ہم اوپر جائیں اور اس کے بھی توجہ نہ کرنے کی صورت میں پھر ہم وہ سکیم اختیار کریں جو میرے ذہن میں ہے۔ اس وقت میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عقل کو جذبات کے تابع نہ کرو۔ چند حکام کی وجہ سے حکومت بُری نہیں ہوسکتی اور چند افراد کی وجہ سے انگریز قوم بُری نہیں بن سکتی، جس طرح چند احرار کی وجہ سے ساری مسلمان قوم کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ جس طرح ''ملاپ'' ''پرتاپ'' کے کسی نوٹ لکھ دینے سے ہندو قوم کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ میرے پاس کئی ہندوؤں کے خطوط آئے ہیں ایک نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ میں دونوں فریق کا لٹریچر پڑھتا ہوں اور ہندو قوم میں میرے برابر دونوں فریق کا لٹریچر پڑھنے والا شاید کوئی اور آدمی نہ ہو۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خود ہی آپ کو فتح دے گا۔ اگر آپ لوگ ''پرتاپ'' یا ''ملاپ'' کے ایک ایڈیٹر کی وجہ سے ہندو قوم سے ناراض ہوتے ہیں تو اِس دوسرے ہندو کی وجہ سے خوش کیوں نہیں ہوتے۔ پس حکومت، انگریز قوم، ہندو مسلمان سب کے بُرے لوگوں پر نگاہ نہ رکھو بلکہ اچھے لوگوں پر رکھو۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ وہ راہِ راست پر آ جائیں۔ ان کے لئے دعائیں کریں کہ وہ راہِ راست پر آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کو رستہ سے ہٹا دے اور ایسی عبرت ناک سزا دے جو دوسروں کی عبرت کا باعث ہو۔ دیر سے مت گھبراؤ کہ یہ دیر ہی تو تمہارے اعلیٰ اخلاق کی نمائش کرتی ہے۔ کوئی فکر نہیں اگر پنجاب گورنمنٹ سے فیصلہ کرانے میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگ جائے یا حکومتِ ہند سے فیصلہ کرنے میں اتنا ہی عرصہ لگ جائے مؤمن کا عزم ہزاروں سال کا ہوتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں جلدی کرو ورنہ جوش ٹھنڈا ہو جائے گا وہ خود بھی بے ایمان ہیں اور دوسرے کو بھی بے ایمان سمجھتے ہیں۔ مؤمن کے دل میں تو وہ آگ لگی ہوتی ہے کہ جب تک وہ

اپنے خدا کے پاس نہیں پہنچ جاتا وہ ٹھنڈی نہیں ہوسکتی ۔جس وقت کسی کا جوش ٹھنڈا ہو جائے تو وہ سمجھ لے کہ اس کے اندر ایمان نہیں ہے کیونکر ممکن ہے کہ سلسلہ کی ہتک کی جائے اور تم سال، دو سال، دس سال، بیس سال بلکہ سو، ہزار سال میں بھی اسے بھول سکو۔سلسلہ کی ہتک تو ایسی شئے ہے کہ اگر ہمارے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر کے قیمہ کر دیا جائے اور پھر اسے ساری دنیا میں پھیلا دیا جائے تو ہمارا ذرّہ ذرّہ اپنی اپنی جگہ پر بھی اس کی یاد تازہ رکھے گا یہی وہ قوتِ ارادی ہے جس سے قومیں جیتتی ہیں ۔جس قوم میں یہ نہ ہو وہ کامیاب نہیں ہوسکتی ۔تمہارا ارادہ پہاڑ کی طرح ہونا چاہئے ۔تمہارے دل میں یہ خوف نہ ہو کہ واقعات تمہارے دل سے محو ہو جائیں گے ۔ٹھنڈے رہو اور یہ یقین رکھو کہ تمہارا ایمان اتنا مضبوط ہے کہ جب بھی تمہیں آواز دی جائے تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سدھائے ہوئے پرندوں کی طرح خواہ ان باتوں پر ہزارہا سال گزر چکے ہوں لَبَّیْکَ کہتے ہوئے حاضر ہو جاؤ گے۔

(الفضل ۳۱؍جولائی ۱۹۳۵ء)

ا؎ **بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ**

۲؎ سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۳؎ اِس خطبہ کے بعد کی انگلستان کی اطلاع ہے کہ وہاں بھی ایک انجمن نے ان مظالم کے خلاف اظہارِ افسوس کیا ہے۔

۴؎، ۵؎ سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۶؎ یوحنا باب ۸ آیت ۳ تا ۱۱ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء

۷؎ **بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد**